تبصرۂ کتب

نام کتاب: بلوچستان میں تعلیم، پس منظر اور پیش منظر

مصنف: پروفیسر انور رومان

تبصرہ نگار: منصور الہدیٰ عباسی، اقراء یونیورسٹی کوئٹہ

ناشر: ادارہ تصنیف و تحقیق، بلوچستان، کوئٹہ

بلوچستان میں تعلیم:۔

پس منظر اور پیش منظر پروفیسر انور رومان کی تازہ تصنیف ہے جسے ادارہ تصنیف و تحقیق بلوچستان کوئٹہ نے شائع کیا۔

تعلیم بلوچستان کا ایک اہم موضوع رہا ہے۔ اس کی ضرورت اور اہمیت کو تسلیم کرنے کے باوجود ایک مضبوط طبقہ تعلیم کو محض نام کی حد تک زندہ رکھنا چاہتا ہے، عملی طور پر نہیں۔

کیونکہ تعلیم انسان کی ایک آزاد انسان کی طرف لے جانے کی کوشش کرتی ہے برے اور بھلے کی تمیز سکھاتی ہے جس کے سبب وہ اپنے آپ کو پہچانتا ہے اپنے ماحول کو سمجھتا ہے اور ایک آزاد سوچ کے ساتھ آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ چیزیں کس طرح ہیں انہیں کس طرح ہونا چاہئے اور اس عمل میں اس شخص کا کیا کردار ہوسکتا ہے۔ یہی سوچ انسان کو اجتماعیت کی طرف لے جاتی ہے۔ تعلیم دراصل کسی قوم پر ہونے والی Investment ہے جس کا ثمر آنے والا دور دیکھتا ہے اور وہی اس سے فیضیاب ہوتا ہے۔ تقریباً ۱۰۵ صفحات پر مشتمل یہ کتاب تعلیم کو معاشرے کے ساتھ مل کر دیکھتی ہے اور مختلف مماثلتوں اور غیر مماثلتوں پر ایک Point of view نقطہ نظر پیش کرتی ہے۔

پروفیسر انور رومان کا ایک اپنا اسلوب بیان ہے جو کہ سادہ، عام فہم اور دل میں گھر کرنے والا ہے۔ قاری ان کی تحریروں میں کھو جاتا ہے۔ پروفیسر انور رومان کے پاس بہت مضبوط Convincing Power ہے۔ شعبہ درس و تدریس سے منسلک رہنے کی وجہ سے اس موضوع پر ان کی گرفت بڑی مضبوط اور عمیق ہے۔ چونکہ وہ خود کئی تعلیمی اور تنظیمی اداروں کا حصہ رہے ہیں لہذا مسائل کو حل کرنے کی approach بھی عملی ہے خیالی نہیں۔

پروفیسر انور رومان تاریخ کے استاد رہے ہیں اور تاریخ کی کڑیاں ملا کر ایک خوبصورت تصویر بنانے کا فن جانتے ہیں جو بہت حد تک حقیقی نظر آتی ہے۔ ان کی تجزیہ نگاری (Analytical) بھی بہت گہری ہے جو جگہ جگہ پر قاری کو رک کر سوچنے پر مجبور کرتی ہے یہی چیز ان کے تحقیقی کام کو تخلیقی بنا دیتی ہے۔ تعلیم کے موضوع پر بلوچستان سے شائع ہونے والی یہ کتاب ۱۸۷۶ء کے دور سے تعلیم کے میدان میں ہونے والی تبدیلیوں سے لے کر آج کی موجودہ تعلیمی سہولیات اور معیار کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

اپنے اس کام کی ابتداء کے پس منظر کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر انور رومان پیش لفظ میں لکھتے ہیں۔

''میں نے ۱۹۷۲ء میں ایک مقالہ Education in Balochistan لکھا تھا۔ اس وقت میں کالجز اور مرکز توسیع تعلیم کا ڈپٹی ڈائریکٹر تھا۔ اس کا محرک یہ جذبہ تھا کہ ۳۱ مئی ۱۹۳۵ء کا زلزلہ تقریباً سب کچھ ہڑپ کر گیا۔ جو کچھ بچا کچا، رہا سہا، پھٹا پرانا موجود ہے وہ بھی کہیں دست برد زمانہ کی نذر نہ ہو جائے۔ اور کل کسی کو یہ بھی پتہ نہ چل سکے کہ بلوچستان میں موجودہ تعلیم کب کیسے اور کس طرح شروع ہوئی ہے وہ کون سے اصحاب تھے جو اس کے بانی ومبانی تھے۔ وہ کون سے استاد تھے جنہوں نے اس دور افتادہ اور محروم مواصلات علاقے میں یہاں کے بچوں کو پڑھنا، لکھنا، بولنا، کھیلنا اور محنت کرنا سکھایا؟ وہ کونسے ارباب نظم ونسق تھے جنہوں نے نئے نئے اداروں کو راہ راست پر رکھا اور نونہالان بلوچستان کو آئندہ ذمہ داریاں نبھانے کا اہل بنایا اس قسم کے بے شمار سوالات تھے جو اپنے حل کیلئے بے قرار تھے۔ ان میں سے بعض کے جوابات تو کسی حد تک مل گئے لیکن بعض شاید کبھی شرمندہ خواب نہیں ہو سکیں گے''۔

پروفیسر انور رومان نے جس محنت سے اس کام کو کیا ہے وہ بغیر Commitment کے ممکن نہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''دفتری کاروبار سے فارغ ہو کر گھر جاتے اور شام کو واپس آجاتے۔ ایک پرانے مستعد اور کاروان آفس سپر نٹنڈنٹ سردار عطاء الرحمٰن میرے لئے پرانی فائلیں دستاویزات اور رپورٹیں وغیرہ ڈھونڈتے اور میں جوان سال اور مشتاق سٹینو عبدالقیوم کو لکھاتا۔ روزانہ چار پانچ صفحے ٹائپ ہو جاتے گھر واپس آکر فائلیں دیکھتا اور ٹائپ شدہ اوراق کی درستگی کرتا۔ تین چار ماہ کی کاوشوں کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مقالہ مکمل ہو گیا''۔

پروفیسر انور رومان جگہ جگہ تحقیقاتی کام کے حوالہ جات کے دوران اپنے آزاد اور بے باک خیالات بھی ضابطہ تحریر میں لاتے رہتے ہیں مثلاً بلوچستان کے بے پناہ مسائل اور وسائل کا تذکرہ کر کے وہ کہتے ہیں۔ ''میں پورے زور اور جسارت سے کہتا ہوں کہ جب تک ایک ایک بلوچستانی کی کایا پلٹ نہ کر دی جائے اور اسے محنت شاقہ، عرق ریزی اور انکشاف واکتشاف کا اہل نہ بنا دیا جائے اس وقت تک نہ یہ وسیع زمین ثمر دار ہوگی نہ پہاڑ اپنے خزینے اگلیں گے نہ بلوچستانی ارتقاء میں اپنا حصہ لے سکیں گے۔ اور نہ ہی بلوچستان کبھی مسکرا سکے گا۔

'اس منصب کو کما حقہ، تعلیم اور صرف تعلیم ہی پورا کر سکتی ہے۔ تعلیم انسان کو زندگی، اس کی بقا اور اس کی معنویت کیلئے تیار کرنے کا عمل ہے۔'

تعلیم نہ تو حکومت کی کلی ذمہ داری ہے اور نہ ہی والدین اور طلبہ کی۔ یہ اصل میں ہر انسانی معاشرے کی بنیادی ذمہ

داری ہے۔اول بلوچستان کا مقتدر اور زردار طبقہ اگر زندہ رہنا چاہتا ہے تو اسے اپنے مخصوص حصار ذات سے نکل کر اپنے آپ کو سماجی وجود میں مدغم کر لینا چاہئے۔ ثانیاً یہ بلوچستان کو تعلیمی اداروں کے قیام و بقا کے لئے اپنا حصہ دینا چاہئے۔ خواہ یہ ایک بوری ریت یا ایک اینٹ یا ایک بالٹی ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے بلوچستان میں تعلیم کا مسئلہ حل تو نہیں ہوگا لیکن ایک صحیح اور اہم قدم ضرور ہوگا۔

اس قسم کی بہت سی Thought Provoking باتیں کتاب میں جگہ جگہ ملتی ہیں۔ جو بذات خود ایک عظیم تعلیمی اثاثہ ہے اس کتاب کا ایک اور 'موضوع مکتب اور تعلیم مکتب' ہے جس میں بلوچستان میں مکتب کی تعلیم کے ارتقاء کو موضوع بنایا گیا ہے۔ کتاب میں نئی مقامات پر مکتب کی تعلیم کا موازنہ جدید تعلیمی نظام سے بھی کیا گیا ہے۔

تعلیم سے متعلق موجودہ دور کی بعض اہم شخصیات کے مطبوعہ انٹرویو بھی شامل کئے گئے جس میں نامور علمی شخصیت اور بلوچستان کے سابقہ سیکرٹری تعلیم منیر احمد بادینی، ڈاکٹر انعام الحق کوثر، پروفیسر انور رومان، بلوچستان یونیورسٹی کے وائس چانسلر غلام محمد تاج، بلوچستان یونیورسٹی آف انفارمیشن ٹیکنالوجی اور مینجمنٹ سائنسز کے وائس چانسلر ڈاکٹر عباس چوہدری کے نام شامل ہیں۔

کتاب میں خاص خاص موضوعات میں تعلیمی پس منظر، رفتار ترقی، قیام پاکستان کے بعد دیہات میں تعلیم، نسوانی تعلیم، بلوچستان میں تعلیمی نظم و نسق، غیر رسمی تعلیم کے علاوہ مختلف تعلیمی نظامتوں کے قیام کا پس منظر اور نامور تعلیمی اداروں کا تعارف شامل ہے۔

کتاب پڑھتے ہوئے ایک قاری کو جگہ جگہ پرانے آفس ریکارڈ کے حوالہ جات کے علاوہ بہت سے اعداد شمار کے جدول بھی شامل ہیں جو اس کتاب کو ایک ریفرنس بک بنا دیتے ہیں۔

اس کتاب کے آخری حصہ میں مصنف کا ایک انعام یافتہ خوبصورت مقالہ بعنوان 'ترقی تعلیم کی تجاویز' بھی شامل ہیں۔ یقیناً یہ کتاب شعبہ تعلیم سے متعلق تمام Staeholders کی رہنمائی کرے گی۔